سوال نمبر 2(الف) (i) • حکومتِ برطانیہ کی ہندوستانی مسلمانوں سے عناد کی وجہ :-

جب جنگِ عظیم (اول) چھڑی تو انگریزوں کا مقابلہ جرمنی سے ہوا اور ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ ہندوستانی مسلمانوں نے خدمتِ حجاز کی بنا پر سلطانِ ترکی کو اپنا خلیفہ مانا ہوا تھا اور اس وجہ سے انہوں نے ترکی کے لیے مالی اور طبی امداد فراہم کی جس کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ اور مسلمانوں کا درمیان عناد پیدا ہوا۔

سوال نمبر 2(الف) (ii) • پہلی جنگِ عظیم میں ترکی کی حمایت کی وجہ :-

مسلمانوں نے پہلی جنگِ عظیم میں ترکی کا ساتھ دیا کیونکہ ترکی کا سلطان حجاز کی خدمت پر مامور تھے اور اس بنا پر انہیں خلیفۂ اسلام سمجھا جاتا تھا۔ پہلی جنگِ عظیم میں جب ترکی نے برطانیہ کا خلاف جرمنی کا ساتھ دیا تو خلیفہ ہونے کا باعث ترکی کا ساتھ مسلمانوں نے دیا۔

سوال نمبر 2(الف) (iii) • حکومتِ برطانیہ کی وعدہ خلافی :-

پہلی جنگِ عظیم میں جبکہ مسلمان ترکی کا ساتھ دے رہے تھے اور برطانیہ کا خلاف جرمنی کا حمایتی تھے، حکومتِ برطانیہ نے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ اس جنگ میں کامیاب ہو سکیں گے، تو وہ ترکی کو مزید کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ لیکن انہوں نے وعدہ خلافی کی اور جنگ جیتنے کے بعد ترکیہ سلطنت کا ٹکڑا ٹکڑا کر دیا۔

سوال نمبر 2 (الف) (iv) • **تحریک خلافت:**

جب انگریزوں نے وعدے سے منہ موڑ کا ترکی سلطنت کا ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تو یہ مسلمانوں کے لیے نہایت المناک واقعہ تھا اور انہوں نے ترکی میں موجودہ خلافت کا تحفظ کے لیے رہنماؤں کے ساتھ میں جیسے مولانا محمد علی جوہرؒ ان کا بڑے بھائی مولانا شوکت علیؒ تحریک شروع کی۔ تاکہ وہ خلافت کی حفاظت کر سکیں۔

سوال نمبر 2 (الف) (v) • **شدھی تحریک سنگھٹن تحریک کا بنیادی مقصد:**

شدھی تحریک اور سنگھٹن تحریک کا بنیادی مقصد مسلمانوں کی شناخت ختم کرنا تھی۔ یہ دونوں تحریکیں ہندوؤں کی بنائی ہوئی تھیں۔ شدھی تحریک میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کا عزم لیا تھا اور سنگھٹن تحریک میں ان کو ختم کرنے کا۔

سوال نمبر 2 (الف) (vi) • **مرکزی خیال:**

انگریزوں کے مختلف اقدامات کی بنا پر مسلمانوں کو دو قومی نظریہ کی اہمیت سمجھ آئی۔ پہلی جنگ عظیم کا بعد وعدہ خلافی کرتے ہوئے جب ترکی کی سلطنت ٹوٹی مسلمانوں کی شناخت ختم ختم کرنے کے لیے تحریکیں وجود میں آئیں اور علیحدہ نمائندگی جیسے اہم نکات کو نظر انداز کیا گیا تو مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں۔ دو الگ نظریے ہیں۔

سوال نمبر 2(ب) (i) • **مجاہد اور زاہد کی صفات :-**

شاعر نے اس شعر میں مجاہد اور زاہد کی صفات بیان کی ہیں کہ مجاہد لوگ اللہ کا نام پر **کانپ** اٹھے تھے گویا ان کے دل میں اللہ کی اتنی ہیبت تھی۔ زاہد حضرات صرف **سچائی اور حق** کی بات یعنی اسلام پر سر تسلیم خم کرتے تھے۔

سوال نمبر 2(ب) (ii) • **دلوں میں بیدار ہونے والا جذبہ :-**

اسلام نے دلوں میں **احساسِ خدمت** کا جذبہ بیدار کیا۔ اسلام سے پہلے محبت، بھائی چارہ وغیرہ کا تصور تک نہ تھا۔ اسلام نے آمد کے بعد اپنی تعلیمات سے دلوں میں دوسروں کا دکھ درد سمجھنے اور دوسروں کی خدمت کرنے کا احساس اجاگر کیا۔

سوال نمبر 2(ب) (iii) • **اسلام کا ہادی :-**

ہادی کا معنی **ہدایت کرنے والا** کا ہیں۔ مذکورہ بالا شعر میں "اسلام کا ہادی" سے مراد **نبی کریم ﷺ** کی ذات ہے جو اللہ کی جانب سے حق اور سچ کا پیغام لائے اور دوسروں کو ہدایت کا پیغام دیا اور وحدانیت کا درس دیا۔

سوال نمبر 2 (ج) (i) ۔ شاعر کا اخذ کردہ نتیجہ :۔

مندرجہ بالا شعر میں شاعر نے دنیا (جگ) میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہر چیز، ہر شے میں اللہ کی قدرت دکھائی دیتی ہے ۔ گویا کائنات کی ہر شے اللہ کی شان و شوکت اور کبریائی کا مظہر ہے اور اس ذات کی بڑائی کی عکاسی کرتی ہیں ۔

سوال نمبر 2 (ج) (ii) ۔ مشکلیں آسان ہونا :۔

شاعر کے مطابق انسان پر مشکلیں تب آسان ہوتی ہیں جب اس کو روز بروز کی ان مشکلات کا سامنا کرنے کا عادت ہو جائے ۔ شاعر کے مطابق جب انسان پر بہت زیادہ مشکلات آتی ہیں ۔ جب انسان روزانہ نئے سرے سے کسی آزمائش کا حصہ بنتا رہتا ہے تو ایک وقت آتا ہے کہ جب اتنی مشکلات کا سامنا کرنا اس کے لیے معمول کی بات بن جاتی ہے اور اب وہ مشکلات اس کے لیے آسان بن جاتی ہیں ۔

سوال نمبر 2(د) (i)

• **مرثیہ:**

مرثیہ کا لفظ عربی لفظ **رثی** سے ماخوذ ہے جس کا معنی **غم کا اظہار، رونا، الم ناک واقعہ بیان** کرنا ہیں۔

ادبی اصطلاح میں مرثیہ اس نظم کو کہتے ہیں جو کہ کسی شخص یا شے کے متعلق **سانحہ** پر تحریر کردہ ہو۔ مثلاً جس میں مرثیہ نگار اس واقعہ کی تفصیل کے ساتھ ساتھ افسوس کا اظہار کرنا بھی کا عنصر شامل کرے۔ اردو ادب میں **میر انیس، میر دبیر** مشہور مرثیہ نگار گزرے ہیں۔

• **مرثیہ کے اجزاء:**

رجز، سراپا، چہرہ، آمد، رخصت، شہادت، بین وغیرہ مرثیہ کے نمایاں عناصر ہیں۔

سوال نمبر 2(د) (ii)

• **صنعت تلمیح:**

تلمیح کا لفظی معنی **اشارہ کرنا** کا ہیں۔ علم بدیع میں وہ صنعت جس کا اسمد استعمال سے شاعر کسی تاریخی مشہور واقعہ، شخصیت وغیرہ کی طرف اشارہ کرے، صنعتِ تلمیح کہلاتا ہے۔

• **مثال:**

اے ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے درد کی دوا کرے کوئی

اس شعر میں ابنِ مریم سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں جن کا کوڑھ جیسے لاعلاج مرض کو بھی شفایاب کر دینا معجزہ مشہور ہے۔ شاعر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ جیسا مسیحا میرے لافانی درد کا علاج کرے۔

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 1)

تشریح: یہ اقتباس مصنف **مشتاق احمد یوسفی** کے مزاحیہ مضمون **کافی** سے ماخوذ ہے۔ مشتاق احمد یوسفی اردو ادب کا مایہ ناز شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں میں "مزاح اور طنز" کا پہلو نمایاں کر کے زمانے کی **حقیقتوں** سے پردہ اٹھایا ہے۔

اس نثر پارے کا ذریعے بھی وہ اپنی تحریر میں **شگفتگی** کا عنصر نمایاں کرتے ہوئے زمانے کے پہلوؤں کو اجاگر کر رہے ہیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ ان کے نزدیک اللہ کی بنائی ہوئی اس کائنات میں کوئی شے بے مقصد نہیں۔ ہر چیز اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کوئی نہ کوئی کام سرانجام دے رہی ہے۔ صرف انسان کو غور و فکر کرنے کی دیر ہے پھر انسان پر کائنات کے حیرت انگیز راز منکشف ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"کائنات کے تغیرات میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔"

مصنف کہتے ہیں کہ اگر مثال کے طور پر حقہ کی حرمثال لے لی جائے تو کافی پرانی اور معتبر بات ہے کہ حقہ پینے سے تفکرات یعنی دنیاوی فکر اور پریشانیاں پاس نہیں آتیں۔ مصنف اس میں اپنا ازلی مزاح کا پہلو کو برقرار رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک صرف حقہ تفکرات ہی نہیں دلکہ اگر خراب تمباکو ہو تو اس کا ناقابلِ برداشت دھوئیں کی وجہ سے کوئی انسان بھی پاس نہ آئے گا۔

مصنف مزید اشیاء کی مزاحیہ اہمیت بیان کرتے ہیں کہ اگر روزمرہ کی کھانے پینے کی چیزوں پر نظر ڈالیں تو مرچیں کھانے کا ایک ہی مقصد ہے وہ یہ کہ اس کی وجہ سے ہماری مشرقی کھانے کی تہذیب اور اصل رنگ و مزہ دب کر رہ جاتا ہے۔ دراصل مصنف اس میں ہمارے معاشرے کا اس پہلو سے پردہ اٹھا رہے ہیں کہ ہم اپنی اصلیت کو بھلا چکے ہیں اور محض **نمود و نمائش** اور **زیبائش** کی بنا پر مغرب اور دیگر اقوام کی اندھا دھند تقلید کر رہے ہیں۔

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 2) جیسے اپنی مشروبات کو چھوڑ کر ہم انگریزوں کی طرح کافی پینے میں لگ گئے ہیں جس کا کوئی فائدہ مصنف کی سمجھ میں نہیں آتا۔
مصنف دراصل اس قوم کو جھوٹی نمود و نمائش سے نکل کر اپنی پہچان پر فخر کرنا سکھانا چاہتے ہیں۔

اے اپنی مٹی پر ہی چلنا سیکھو
سنگ مرمر پر چلو گے تو پھسل جاؤ گے

مصنف ہمیں طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم لوگ خمیرہ گاؤ زبان اس لیے کھاتے ہیں کہ وائن کارڈ کا بغیر صرف یہی جائز طریقہ ہے۔ دراصل یہاں مصنف مہنگائی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ روزمرہ کی چیزوں کا لیے بھی قیمتوں میں اس قدر اضافہ ہے کہ اگر وائن کارڈ (وائن کا اشیا لیے کم قیمت پر خریدو فروخت کا لیے کارڈ) نہ ہو۔ تب جائز طریقہ سے کھانا کا صرف ایک ہی حل ہے کہ بندہ چینی کی چاہ میں خمیرہ گاؤ زبان کھا۔
اسی طرح جو منافذ بھی اسی لیے پیا جاتا ہے کہ ایک تو اس کی پیداوار پاکستان میں بہت ہے اس لیے اس کو خریدنے سے ملکی معیشت کو فروغ اور ترقی کا مواقع ملتے ہیں۔ بلکہ تعیش امارہ کو مارنے میں بھی مدد ملتی ہے۔
اسی طرح شلغم اس لیے کھاتے ہیں کہ اس کو کھانے سے وٹامن کی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ ان تمام ناپسندیدہ چیزوں کا لیے کوئی نہ کوئی تسلی بخش جواب اور وضاحت مل ہی جاتی ہے۔ لیکن ایک چیز جو ریسرچ سے بھی ثابت نہ ہو سکی وہ ہے **کافی** پینے کا فائدہ۔ غور و فکر کرنے پر ہر ناپسندیدہ چیز کو کھانے کا لیے کوئی نہ کوئی جواز نکل آتا ہے لیکن کافی پینے کی منطق مصنف کی سمجھ سے باہر ہے۔ گویا کافی پینا محض نمود و نمائش اور مغرب کی تقلید کا لیے رہ گیا ہے اور اسی اندھا دھند تقلید کی بنا پر ہم کافی بنا کسی معقول وجہ کے پیتے ہیں۔

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 1)

تشریح: یہ نظم پاکستان کے مشہور شاعر **فیض احمد فیض** کی تحریر کردہ نظم **"منٹگمری میں تیری گلیوں پہ"** سے ماخوذ ہے۔ حق و باطل کی جنگ اول دن سے جاری ہے۔ ہمیشہ آخر میں جیت حق کی ہی ہوتی ہے اس لیے خانی ہار کا کوئی غم نہیں۔

شاعر فیض احمد فیض اردو ادب کا مایہ ناز شاعروں میں سے ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے لیے ہمیشہ حق کے لیے آواز بلند کی اور ظلم اور بربریت کے خلاف تکالیف سہیں۔ یہ نظم بھی انہوں نے اپنے مجموعہ **دستِ صبا** میں لکھی تھی جو کہ انہوں نے **راولپنڈی سازش کیس** کی وجہ سے گرفتار ہو کر قید خانے میں تحریر کی۔

شاعر کا کہنا ہے کہ یہ تو کائنات کی روز اول سے کہانی ہے کہ حق و باطل کے درمیان جنگ چلتی آئی ہے۔ ہمیشہ ظلم اور مظلوم کی لڑائی جاری رہتی ہے اور آخر میں فتح حق ہی کو ہوتی ہے۔ شاعر اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ پاکستان میں دورِ حاضر میں اگر وطنِ عزیز کو ظالم اور نااہل حکمرانوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو اس میں کوئی بڑی بات نہیں۔ ہمیشہ اسی طرح حق و باطل کی جنگ جاری رہتی ہے اور جیت آخر میں حق کی ہی ہوتی ہے۔ وطن کے وفادار اس وطن کو کامیاب کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں گے چاہے مخالف کوئی بھی ہو۔

ہے بھلا بھولتا ہے یارب یہ چمن میری امیدوں کا
کہ جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

شاعر کہتے ہیں کہ اسی طرح ہم نے ہمیشہ سے آگ میں جھول کر پھول پائے ہیں۔ یہاں شاعر نے **تلمیح** کا استعمال کرتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ سچائی کی سربلندی کی خاطر بے خطر کود پڑے اور

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 2) وہ آگ گلزار بن گئی۔ اسی طرح ہم نے بھی ہمیشہ سر سے ظلم کا خلاف سخت سے سخت حالات میں بھی گلشن سجائے ہیں۔ اور ہمیشہ غلط قوانین اور اصولوں کا خلاف آواز اٹھائی ہے۔

جہل پروردہ یہ قدریں، یہ نرالا قانون
علم و عرفان کی تکسال میں ڈھلا قانون
ایسے قانون سے نفرت ہے عداوت ہے مجھے
ان سے ہر سانس میں تحریک بغاوت ہے مجھے

شاعر کا کہنا ہے کہ کائنات کی اسی ریت کو چلاتے ہوئے ہم آج بھی ظلم کا خلاف کھڑے ہیں اور قربانیوں کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے ہم پر جو مصائب نازل ہوتے ہیں ہم اللہ سے یا زمانے سے اس کا شکوہ نہیں کرتے کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ تمام مسائل، مصائب وغیرہ صرف وقتی آزمائشیں ہیں اور حقیقت میں فتح تو صرف حق کی ہی ہوتی ہے۔ جیسے حضرت یوسفؑ چاہے جس مرضی کنویں میں پھینکوا دے جائیں خط یا جس مرضی بازار میں بیچ دیے جائیں، حق کی بنیاد پر وہ آخر میں شاہِ مصر ہی بنیں گے۔

یہ ہے مشکل ہے انسان کا مکمل ہونا
حق و انصاف کی بنیاد پہ اٹل ہونا

لیکن حق کی خاطر مصائب سہہ کر بھی حق کا راستے سے نہ ہٹنا ہر کسی کا بس کی بات نہیں۔ شاعر کی اپنی زندگی میں انہی مصائب کو سہتے سہتے نظر ہو گئی۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 1)

تشریح:

ستاروں سے آگے اور بھی جہاں ہیں یعنی ان دیکھنے والے مصائب کا لگا مزید کہکشاں ہیں۔

یہ شعر شاعر مشرق **علامہ اقبال** کی غزل سے ماخوذ ہے جس میں شاعر اپنے شاہین بچوں کو درس دیتے ہیں اور زندگی گزارنے کا اسلوب سے روشناس کراتے ہیں۔

شاعر کہتے ہیں کہ ابھی جو ہمیں آسمان کی وسعتوں پر ستارے نظر آتے ہیں جن کو دیکھ کر یہ گمان گزرتا ہے کہ یہ ستارے نہ جانے کتنی دور ہیں۔ نوجوانوں! ابھی تو ان ستاروں سے آگے مزید کہکشاں ہیں۔ ابھی سے عشق کا امتحان سے دینے والوں ابھی مزید امتحان امتحانوں کا سامنا ہوگا۔

اقبال نوجوان بچوں کو کمر باندھ کر سفر کی تیاری پکڑنے کا یہ ارشاد کرتا ہیں کہ یہ تاحد نظر ستارے وغیرہ یہ سب تو کچھ بھی نہیں۔ اگر تمہارے ارادے مضبوط ہیں اور تمہیں مزید سفر کرنا ہے تو ابھی مزید آزمائشوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ کیونکہ تب ہی تم اس شان کے قابل ہوگا جس کا تم حقدار ہو۔

ع کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

اقبال

اس لیے مسلم نوجوانوں! ابھی سے مت گھبراؤ۔ اب یہ عشق لافانی کا سفر پکڑ ہی لیا ہے تو مزید مصائب کا سامنا کرنا ہوگا۔ شاعر کی اس سے مراد دنیا کا آگے مزید کہکشاؤں کا انکشاف ہے کہ وہ دراصل تمہاری آرام گاہ ہوگی نا کہ یہ ستارے۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 2)

تشریح:

ابھی جو میسر ہے اسی پر صبر کر لینا عقلمندی نہیں بلکہ ابھی تو مزید سفر اور منازل دیکھنے ہیں۔

یہ شعر بھی شاعرِ مشرق **اقبالؒ** کا تحریر کردہ ہے۔ اقبالؒ عظیم **مفکر، شاعر، فلسفی** تھے جنہوں نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں خاص کر مسلمان جوانوں کو نئی سوچ سے نوازا۔ انہیں مزید سے مزید کی تلاش کا درس دیا۔

اس شعر میں بھی شاعر یہی کہتے ہیں کہ اس عالم کا دو تین خوبصورت چیزوں پر قناعت کر لینا دانشوری نہیں بلکہ ابھی تو تمہاری جستجو اور تلاش کا سفر میں ابھی مزید آسمان آئیں۔

ے تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں اور بھی ہے

اقبالؒ جوان بچوں کو درس دیتے ہیں کہ ان تغیرات و حوادث ہی کو اپنی زندگی نہ سمجھ لینا۔ بلکہ مزید کی تلاش میں لگے رہنا کیونکہ انسان کی بڑائی اسی میں پوشیدہ ہے کہ وہ کائنات کے رازوں کی کھوج میں لگ جائے اور ان رازوں کو بے نقاب کرنے کے سفر میں گامزن رہے۔ اسی میں انسان کی بڑائی پوشیدہ ہے۔ سکوت کے معنی موت کے ہیں۔ اس لیے سکوت اختیار نہیں کرنا بلکہ ہمہ وقت نئے سے نئے سفر کی تلاش میں رہنا ہے۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 3)

تشریح:

تم شاہین ہو تمہارا سامنے مزید آسمان ہیں جن پہ پرواز کرنا، ان کو تسخیر کرنا تمہارا کام ہے۔

شاعر **علامہ اقبال** نوجوان نسل کی بقا اور ترقی کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ ان کا بنیادی مقاصد میں سرفہرست یہی تھا کہ مسلمان بچوں میں یہ نور بصیرت عام ہو جائے جس کی بنا پر مسلمان قوم ترقی کی راہیں ہموار کریں۔

شاعر علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اے مسلمان نوجوانو! تم شاہین ہو شاعر نے ادھر **استعارہ** کا استعمال کیا ہے۔ شاہین دراصل **طاقت، بلندی، خودی** کا نشان ہے۔ شاعر نے ادھر مسلمان نوجوانوں کو شاہین بنایا ہے کہ اے شاہینوں تمہارے سامنے ابھی مزید آسمان ہیں۔ اس لیے اپنی پرواز جاری رکھو اور کائنات کا ہر میدان کو تسخیر کر ڈالو۔

ے نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

شاعر کی یہ خواہش ہے کہ مسلمان بچے شاہین کی طرح پر و بال ے کر اونچے مناصب اونچی منازل کی طرف اڑان جاری رکھے اور محنت کر کے دنیا میں اپنا لوہا منوائیں۔

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 1) **تہنیت نامہ :-**

از کمرۂ امتحان
ا - ب - ج
۱۸ مئی ۲۰۲۶ء

پیارے بھائی!

السلام علیکم!

امید ہے آپ بالکل خیریت سے ہوں گے۔ میں بھی الحمدللہ بالکل خیریت سے ہوں اور اپنی پڑھائی پر مکمل توجہ دے رہی ہوں۔ آپ کا خط ملا۔ یہ جان کر نہایت خوشی ہوئی کہ آپ نے ہوں ضلع میں ٹاپ کیا ہے۔ میرا یہ تہنیت نامہ لکھنے کا مقصد آپ کو اس شاندار کامیابی پر مبارک باد دینا ہے۔

ماشاءاللہ! یہ سب اللہ کا کرم، والدین کی دعائیں اور آپ کی محنت کا ثمر ہے۔ آپ نے مقررہ وقت پر اپنی تمام تر مصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی پڑھائی پر توجہ فرمائی اور آج اس کا شاندار ثمر آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ مجھے اس قدر خوشی ہے کہ بیان کے قابل نہیں۔ محنت کا ثمر انسان کو مل کر ہی رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے محنتی لوگوں کے ساتھ کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی لیے۔ الحمدللہ آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا جس کی خوشی کا اظہار میرا قلم اور الفاظ کرنے سے قاصر ہیں۔

امید ہے آپ اسی طرح آگے بھی مزید محنت کریں گے کامیابی کی راہوں پر گامزن رہیں گے والدین کا نام روشن کریں گے اور ہمیں میرا ہے باعث فخر ہوں گے۔ ایک بار پھر آپ کو اس شاندار کامیابی پر بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ اسی طرح آپ کو مزید

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 2)

کامیابیوں سے نوازے۔ آمین۔ اب جلد ہی سب آپ
کی آمد کا منتظر ہیں۔ انتظار کی گھڑیوں کو مزید طویل نہ کیجیے گا۔

والسلام
آپ کی مخلص
ع۔ ی۔ ب

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 1)

عنوان: بدعنوانی کے اسباب اور سدِ باب

بدعنوانی سے مراد کسی کا غلط طریقے سے حق مار کر کھانا یا ناجائز طریقے سے کسی اور کا حق جھین لینا - بدعنوانی آج کل کے معاشرے میں بہت زوروں سے پروان چڑھتی ہوئی بیماری ہے جس کا علاج، جس کی بنیاد وغیرہ انفرادی ہی نہیں بلکہ اجتماعی غور و فکر چاہتی ہے۔

بدعنوانی کے بہت سے طریقے ہیں مثلاً کسی اور کا حق زور زبردستی سے یا کر خود کا استعمال میں لانا، دوسروں کا حق مار کر اقربا پروری کی بنا پر اپنے قریبی ساتھیوں کو وہ حق ناجائز طریقے سے دے دینا وغیرہ وغیرہ۔ بدعنوانی صرف انفرادی ہی نہیں بلکہ اجتماعی مسئلہ ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ بدعنوانی صرف انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی رجحانات کی بنا پر وجود میں آتی ہے۔

بدعنوانی کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے **انفرادی** سطح پر بات کریں تو انسان کا اندر **ایمان کی کمی** اور **آخرت کا یقین نہ ہونا** ہیں۔ اگر انسان کو اس بات کا پختہ یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی ہر سکنات و حرکات پر نظر رکھے ہوئے ہے تو وہ کبھی بھی بدعنوانی کا سوچے بھی نہیں۔ مثلاً دکان دار تولنے میں احتیاط سے کام نہ لے تو اور گاہک کو اس کا حق سے کم مال وغیرہ کر کے دیں تو یہ بھی بدعنوانی ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

"اور تولنے میں احتیاط سے کام لیا کرو۔" (القرآن)

اگر ہمیں انفرادی سطح پر ان آیات و احادیث پر عمل کرنے کی عادت ہو تو یہ ناسور بہت حد تک ختم کیا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 2) **اجتماعی سطح** پر بھی بدعنوانی کی بہت سے اسباب ہیں۔ اگر پورا معاشرہ ایک دوسرے سے **اخوت، بھائی چارے** کا سلوک نہ رکھے۔ صرف اپنی ذات کو ترجیح دے اور قوم کی بھلائی اور دوسروں کی بقا اور بہتری کو نظر انداز کریں تب قوم میں بدعنوانی زور پکڑتی ہے۔ انسان جب صحیح راستے سے اپنا حق نہیں لے پاتا تھا وہ غلط راستے کی طرف رخ کرتا ہے اور زبردستی اپنا حق لیتا ہے جس کی وجہ سے کسی اور کا حق مارا جاتا ہے اور یہ سلسلہ پھیلتا رہتا۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ قوم میں **خود غرضی، مفاد پرستی** جب عروج پاتی ہے تب ہی ایسے ناسور کو پروان چڑھنے کی جگہ ملتی ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ اخوت کی کمی ہے۔

ے حرم پاک ہیں، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
اقبال

اس کے علاوہ اگر **حکومتِ وقت** درست نظام کا تحت لوگوں کو ان کا حقوق نہ دلائے۔ یعنی کسی اہل بندے کا حق کسی اقربا پروری کی بنا پر نااہل قریبی جاننے والا کو جگہ دیا جائے۔ تب وہ اہل امیدوار غلط کاموں کا ذریعے اپنا حق لے گا جس کی وجہ سے بدعنوانی کے علاوہ دیگر فسادات قوم میں پروان چڑھتے ہیں۔

ان تمام مندرجہ بالا وجوہات کا **سدِباب** نہایت ضروری ہے۔

انفرادی سطح پر دیکھا جائے تو ہر شخص کو اسلامی تعلیمات اور **دین سے آگاہی** لازمی ہونی چاہیے۔ جب مسلمان اسلامی تاریخ میں موجود رواداری، انصاف اور پیار محبت کی بے نظیر مثالیں پڑھیں گے تب ہی اخوت اور بھائی چارہ پروان چڑھے گا۔

آخر کوئی تو بات تھی کہ میدانِ جنگ میں **پیاس کی شدت**

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 3)

کا باوجود ہر مسلمان دوسرا کی پیاس کو اپنی پیاس پر ترجیح دیتا۔ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے انسان کو اس بات کا شعور آئے گا کہ اللہ نے ہمیں **مقلد پرستی** نہیں بلکہ دوسروں کی خدمت کے لیے بھیجا ہے۔

ہے یہی لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

اس کے علاوہ **اجتماعی سطح** پر معاشرہ کا ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے سے کم تر نہ جانے بلکہ سب کو ہی برابر جانے اور **مساوات** سے کام لے۔ آپ نے **تاریخی خطبہ حجۃ الوداع** میں صاف اور واضح انداز میں ارشاد فرمایا تھا کہ

کسی گورے کو کسی کالے پر، کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کا سوا

اس لیے کسی کو بھی ادنیٰ جان کر ان کا حق مار لینا کہیں سے موزوں نہیں ہے۔

حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہل لوگوں کے لیے کام اور دیگر بنیادی سہولتیں انصاف کی بنیاد پر فراہم کرے۔ جب سب کو ان کا حق صحیح طریقے سے میسر ہوگا تو قوم کا کسی فرد کو غلط کام کی طرف ضرورت نہ ہوگی۔

دیگر معاشرتی مسائل جیسے **بے روزگاری، مہنگائی** وغیرہ سب براہ راست جیسے کاموں کو فروغ دیتی ہیں جن کا سدباب مندرجہ بالا نکات میں واضح کیا گیا ہے۔ ان بڑھتی ہوئی منفی بیماریوں کی روک تھام اس لیے ضروری ہے کیونکہ اپنی ناسور کی بنا پر افراد کے ذریعے پوری دنیا میں **قوم کی پہچان** بنتی ہے۔ اگر انفرادی سطح پر ان ناسوروں سے چھٹکارا نہ پایا گیا جو کہ بحیثیت قوم

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 4) ہم پر لازم ہے، تو قوم کی شناخت دھر اپنی صفات سے ہونے لگے گی۔ کیونکہ :-

ے افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اس لیے انفرادی سطح پر اس کا سدباب کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر حکومت وقت اس طرف توجہ نہیں فرماتی تو کم از کم بحیثیت قوم ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ اس کے سدباب کے لیے کوشاں رہے۔ دوسروں کو الزام دینے کی بجائے پہلے خود اپنی نگہداشت کرنا ہی اصل بڑائی ہے۔

ے اس کی وہ جانے اس کا پاس وفا تھا کہ نہ تھا
تم فراز اپنی طرف سے تو نبھاتے جاتے